آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کے درس قرآن پر حملہ

(ڈاکٹر سید نیاز محمد ہمدانی)

(یہ مضمون 27 ستمبر 2015 کو بلاگ سپاٹ پر میرے بلاگ میں شائع ہوا۔ یہاں اس میں کچھ نکات کا اضافہ کیا گیا ہے۔22-9-2022۔لاہور)

فقیہ وعارف قرآنی آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ قم میں حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا کے حرم مطہر سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع مسجد امام رضا علیہ السلام میں درس قرآن دیا کرتے تھے۔سوا دس بجے سے لے کر گیارہ بجے تک فارسی میں درس ہوا کرتا تھا اور سوا گیارہ بجے سے بارہ بجے تک عربی میں درس ہوتا تھا۔

22 ستمبر 1987ء کو دن کے ساڑھے دس بجے، جبکہ درس شروع ہوئے بمشکل پندرہ منٹ گزرے ہوں گے ستر، اسی کے لگ بھگ پاکستانی طالب علم نما غنڈوں نے درس پر حملہ کر دیا۔اس دہشت گرد گروہ کا تعلق تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) سے تھا۔ حملے کی قیادت راجہ ناصر اور اقبال کامرانی کر رہے تھے۔راجہ ناصر اس وقت مجلس وحدت مسلمین کے نام سے فرقہ وارانہ سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہے۔اقبال کامرانی اس وقت تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) شعبہ قم کا جنرل سیکریٹری تھا۔اس حملے میں درس میں شریک طالبعلموں کو زد و کوب کیا گیا، ان میں سے بعض کو زخمی بھی کیا گیا جن میں راقم بھی شامل تھا۔حملے کے دوران قرآن مجید کے نسخے پیروں تلے روند کر پھاڑ دیئے گئے، طالبعلموں کے خون سے مسجد کو آلودہ کیا گیا، بے ہودہ نعرہ بازی اور دہشت گردی کی اس کاروائی سے مسجد کے تقدس کو بھی پامال کیا گیا۔

راقم اور کچھ ایرانی دوستوں نے جو درس میں شریک تھے، اسی دن قم کے پولیس سٹیشن میں اس واقعہ کی ایف آئی آر درج کروائی۔بعد از آں پانچ ماہ تک علماء کی خصوصی عدالت (دادگاہ ویژہ روحانیت) میں مقدمہ کی کاروائی چلتی رہی۔چونکہ ان دہشت گرد مجرموں کو حوزہ علمیہ قم کی انتظامیہ کی سرپرستی اور حمایت حاصل تھی، فروری 1988 میں عدالت نے کوئی فیصلہ کیئے بغیر مقدمہ ختم کر دیا۔میں نے عدالت کے اس غیر عادلانہ رویے کی اطلاع ایک خط کے ذریعے اس وقت کے چیف جسٹس آیت اللہ سید عبدالکریم موسوی اردبیلی کو دی لیکن کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ (خط اور اس کا ترجمہ اس تحریر کے آخر پر ملاحظہ فرمائیں)

استاد محترم آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ اور شاگردوں نے دہشت گردی کے اس حملے سے مرعوب اور خوفزدہ ہوئے بغیر درس کا سلسلہ جاری رکھا اور اس دن سوا گیارہ سے بارہ بجے تک عربی زبان میں ہونے والا درس قرآن اپنے معمول کے پروگرام کے مطابق ہوا اور درس قرآن کا سلسلہ جاری رہا۔فرق پڑا تو اتنا کہ درس میں شرکت کرنے والے طالبعلموں کی تعداد کچھ کم ہو گئی۔

کچھ عرصے کے بعد جب میں پاکستان واپس آ چکا تھا، 1991 میں ایک بار پھر اسی مسجد میں درس قرآن پر حملہ ہوا۔اس بار حملہ کرنے والے غنڈے ایرانی تھے۔پولیس نے رپورٹ بھی درج نہیں کی اور استاد محترم کو ٹیلی فون پر کہا گیا کہ پہلے بھی آپ کے درس پر حملے کے ذریعے آپ کو ایک پیغام دیا گیا تھا مگر آپ نے اسے نظر انداز کر دیا۔اب اس حملے کے ذریعے آپ کو دوبارہ پیغام دیا جا رہا ہے۔اگر اب بھی آپ نے درس جاری رکھا تو نتائج کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔اس طرح حکومتی سرپرستی میں تشدد اور دہشت گردی کے ذریعے یہ درس قرآن بند کر دیا گیا اس لیئے کہ اس درس میں قرآن حکیم کی روشنی میں اندھی تقلید پر مبنی روایتی مذہبی سوچ کا محاکمہ کیا جاتا تھا جو اندھی تقلید کے تاجروں کے لیئے قابل تحمل نہ تھا۔

☆☆☆

22 ستمبر 2011 کو پہلی بار اس واقعہ کو سوشل میڈیا پر نشر کیا۔یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں تھی۔ہمارے عوام جو عام طور پر علماء، عمامہ وعبا قبا کے تقدس کے قائل ہیں ان کے لیئے یہ خبر ایک بہت بڑا جھٹکا تھی۔حملہ آور دہشت گردوں کی جماعت اور ان کی لابی کے لیئے بھی یہ بات قابل ہضم نہیں تھی۔لہٰذا بہت بحث و تکرار بھی ہوئی اور سوشل میڈیا پر مختلف قسم کے تبصرے بھی دیکھنے کو ملے۔اس تحریر میں ہم اس واقعہ کے بارے اٹھنے والے کچھ سوالات کے جواب دیں گے۔

☆ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ 1987 میں ہونے والے اس واقعہ کی 24 سال بعد تشہیر کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔ اگر اس کی تشہیر ضروری تھی تو پہلے کیوں نہیں کی گئی؟

جواب:

اس واقعہ کو اتنے سالوں کے بعد عوام کے سامنے لانے کی وجہ یہ تھی کہ 21 مارچ 2011 تک استاد محترم زندہ تھے۔ اگر اس واقعہ کی ان کی زندگی میں تشہیر ہوتی تو ایران میں ضرور ان کے لیئے مشکلات میں اضافہ ہو جاتا۔ ان کو مشکلات سے بچانے کے لیئے ان کی زندگی میں اس واقعہ کو سرعام بیان نہیں کیا گیا۔ ان کی وفات کے بعد اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا تو اس واقعہ کو بھی بیان کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی تشہیر اس لیئے ضروری تھی تا کہ اسلام اور تشیع کے مقدس لبادے میں ملبوس ظالموں کا چہرہ قوم کے سامنے آشکار کیا جائے تا کہ قوم رہبر نما رہزنوں کو پہچانے اور ان کے فریب سے محفوظ رہے۔

☆ اس واقعہ کے ذکر سے شیعہ مذہب اور حوزہ علمیہ قم اور ایران کی اسلامی حکومت کی بدنامی ہوتی ہے لہٰذا اس کی تشہیر نہیں کی جانی چاہیے۔

جواب:

یہ ایک انتہائی سنگین ظالمانہ واقعہ تھا۔ شیعہ مذہب کی بنیادی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہی ظلم اور ظالم سے نفرت اور تبرا ہے۔ حوزہ علمیہ قم کی انتظامیہ ان ظالموں اور اس ظلم کی سرپرستی و حمایت نہ کرتی اور اسلامی جمہوریہ ایران کی عدالت مجرموں کو سزا دے دیتی تو حوزہ علمیہ اور اسلامی جمہوریہ ایران کی بدنامی نہ ہوتی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے دن میں نے علامہ عارف الحسینی سمیت پاکستان کے بزرگ علماء کو ایک خط کے ذریعہ اس واقعہ کی تفصیلات لکھیں۔ اس میں، میں نے یہ لکھا تھا کہ میں علامہ عارف الحسینی کا دامن اس واقعہ سے پاک سمجھتا ہوں لیکن اب اس واقعہ کی اطلاع ہو جانے کے بعد اگر وہ ان شرپسند عناصر کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ انہوں نے اس اقدام کی تائید کی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے شرپسندوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اسرائیل مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کرے تو ریلیاں نکالو، مذمت کرو، شور مچاؤ۔ بھارت بابری مسجد گرائے تو جلوس نکالو، مذمت کرو، احتجاج کرو۔ صدام کے دور حکومت میں عراق میں علماء پر ظلم ہو تو اس کے خلاف آواز اٹھاؤ، سعودیہ میں آیت اللہ باقر نمر کے خلاف ظلم ہو تو اس کے خلاف آواز اٹھاؤ، سوشل میڈیا پر تشہیر کرو۔ لیکن قم میں کچھ بدمعاش مسجد امام رضا پر حملہ کریں، قرآن پیروں تلے روندیں، طالبعلموں کو زدوکوب اور زخمی کریں تو چپ رہو کیونکہ اس سے ہمارے مذہب اور مقدس اداروں کی بدنامی ہوتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ مظلوم سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کو کیوں آشکار کر رہا ہے بلکہ اس بات پر اسی کو ہدف طعن و تشنیع و ملامت بنایا جائے اور ظالموں کے اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کے لیئے جواز بھی فراہم کیئے جائیں۔ قرآن مجید میں چھٹے پارے کا آغاز ہی اس بات سے ہو رہا کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی بری بات کو ظاہر کیا جائے، مگر جو کوئی مظلوم واقع ہو وہ ظالم کے ظلم کو بے نقاب کر سکتا ہے۔ نیز قرآن ناطق امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام نے شہادت سے تھوڑی دیر پہلے جو آخری وصیت کی تھی اس میں واضح الفاظ میں فرمایا:

کونا للظالم خصما و للمظلوم عونا

ترجمہ: ہمیشہ ظالم کے خلاف مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔ (نہج البلاغہ مکتوب 47)

☆ بعض افراد کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ یہ واقعہ ہوا بھی ہے۔ پہلے یہ ثابت کریں کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔

جواب:

بہت خوب ! اسی کو کہتے ہیں مدعی سست گواہ چست۔ کیا وہ افراد جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اس کاروائی کی قیادت کی، کیا انہوں نے اس سے انکار کیا ہے؟ فرض کریں اگر وہ انکار بھی کر دیں تو اس واقعہ کے 28 سال بعد آج بھی پاکستان میں ایسے افراد موجود ہیں جن سے اس واقعہ کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔ چند افراد کے نام سن لیجیے:

☆ آیت اللہ سید ساجد علی نقوی (دام ظلہ) نمائندہ ولی فقیہ و رہبر شیعیان پاکستان۔ یہ اس دور میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) کے نائب

صدر تھے۔

☆ آیت اللہ علامہ محمد حسین نجفی (دام ظلہ) جو علامہ ڈھکو صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔

☆ آیت اللہ حافظ سید ریاض حسین نجفی (دام ظلہ)۔ زعیم حوزہ علمیہ جامعۃ المنتظر۔

☆ حجۃ الاسلام شیخ محسن علی نجفی (دامت برکاتہ)، پرنسپل جامعہ الکوثر۔ اسلام آباد۔

☆ حجۃ الاسلام ملک آفتاب حسین جوادی (دامت برکاتہ) جامعہ الکوثر۔ اسلام آباد۔

☆ حجۃ الاسلام ظفر عباس شہانی (دامت برکاتہ) جامعہ الکوثر۔ اسلام آباد۔

☆ سب سے بڑھ کر سید جواد نقوی (جامعہ عروۃ الوثقیٰ)۔

جب میں اور میرے ایرانی ہم درس قم کے پولیس سٹیشن میں اس واقعہ کی رپوٹ لکھوانے گئے تو سید جواد نقوی صاحب وہاں ان حملہ آوروں کی وکالت کے لیئے موجود تھے۔ انہوں نے وہاں موجود پولیس افسر (جن کا نام غالباً سرہنگ باقری تھا) سے کہا کہ یہ لوگ ضد انقلاب ہیں، یہ لوگ فلاں فلاں کو گالیاں دیتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ جس پر پولیس افسر نے جواب دیا: آغا یہ انقلاب ایرانی قوم نے برپا کیا ہے اور اس کے لیئے ہزاروں شہیدوں کی قربانی دی ہے، جتنا عزیز یہ انقلاب خود ایرانیوں کو ہوسکتا ہے کسی اور کو نہیں ہوسکتا، ہمارے پولیس، سپاہ پاسداران، بسیج، اور انٹیلی جنس کے ادارے اس کی حفاظت کے لیئے بھرپور کام کر رہے اور انقلاب دشمن عناصر پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود ہم یہ مان لیتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کسی کونے میں کوئی ایسی حرکت ہو رہی ہو جو ان سب اداروں کی نظر سے اوجھل ہو اور آپ کے نوٹس میں آگئی ہو، اس صورت میں آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ آپ ہمیں اطلاع دیں، پھر ہم جانیں اور ہمارا کام جانے۔ ہم نے جس مقصد کے لیئے انقلاب برپا کیا آپ لوگوں نے یہ حرکت کر کے خود اس مقصد کی نفی کر ڈالی ہے۔ اس پر موصوف لاجواب ہو گئے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس حملہ کے پس پردہ کرداروں میں کراچی کے مشہور خطیب حسن ظفر نقوی کا نام بھی آتا ہے۔ لاہور میں مومنین کی ایک خصوصی محفل میں انہوں نے بڑے فخر سے اس کارنامے کا ذکر بھی کیا ہے۔ جن صاحب کے گھر میں یہ محفل منعقد ہوئی تھی انہوں نے خود مجھ سے اس بات کا ذکر کیا۔

☆ حملہ آوروں کے بعض حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد امام رضا میں درس قرآن پر حملہ مسجد ضرار کو مسمار کرنے جیسی کاروائی تھی جو بالکل صحیح تھی۔

جواب:

مسجد ضرار کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مسجد ضرار قرار دیا۔ اس کو گرانے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا اور مسجد ضرار کو مسمار کرنے کے آپریشن کی آپ نے خود نگرانی فرمائی۔ آپ نے ایسا نہیں کیا کہ خود خاموش بیٹھے رہے اور چند غنڈے بھیج کر مسجد پر حملہ کروا دیا۔ اگر مسجد امام رضا علیہ السلام مسجد ضرار تھی، تو حکومت کے بااختیار قانونی ادارے اسے مسجد ضرار قرار دیتے اور پھر قم کے کمشنر یا میئر یا کسی اور اعلیٰ حکومتی عہدے دار کی موجودگی اور نگرانی میں اس مسجد کو مسمار کیا جاتا۔ مسجد امام رضا علیہ السلام کے بانی اور منتظم آیت اللہ سید محمد شیرازی تھے۔ یہ مسجد آج بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اور حوزہ علمیہ قم کا حصہ ہے، اس میں اسی طرح دروس بھی ہو رہے ہیں۔ بلکہ فارسی زبان میں درس قرآن پر حملے کے تھوڑی دیر بعد عربی زبان میں درس معمول کے مطابق ہوا اور 1991 تک اس درس قرآن کا سلسلہ وہاں جاری رہا۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حوزہ علمیہ قم کے دفتر شوری سرپرستی طلاب غیر ایرانی جو کہ غیر ایرانی طالبعلموں کے امور کا انتظام کرتا تھا، اس کے انچارج نے مجھے دفتر میں بلایا اور کہا کہ آپ آقائے صادقی کے درس میں نہ جایا کریں۔ کافی دیر گفتگو ہوتی رہی، میں نے اس سے کہا کہ اگر آقائے صادقی کا درس اتنا ہی برا ہے تو آپ ان پر اور ان کے درس پر پابندی لگا دیں۔ کہنے لگا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ آخر میں یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ آپ نے باہر دو بڑے بڑے نوٹس بورڈ لگائے ہوئے ہیں جن پر مختلف اوقات میں مختلف نوٹس لگائے جاتے ہیں۔ آپ ایک نوٹس یہ بھی لگا دیں کہ آقائے صادقی تہرانی کے درس میں جانا ممنوع ہے۔ پھر یا تو میں نہیں جاؤں گا اور اگر گیا تو آپ میرے خلاف ضابطے کے مطابق کاروائی کریں۔

مسجد ضرار کے خلاف جو کاروائی کی گئی تھی وہ قانون کے عین مطابق مکمل شفافیت کے ساتھ رسول اللہ کی زیر نگرانی کی گئی۔ اس غیر قانونی، غیر اخلاقی اور غیر اسلامی ظالمانہ حرکت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ کردار کے ساتھ ملانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شان میں گستاخی کے زمرے میں

آئے گا۔ یہ بالکل ایسا ہے کہ پشاور میں آرمی پبلک سکول میں معصوم طالب علموں کے خون سے ہولی کھیلنے والے دہشت گردوں کے سر پرستوں نے اپنے اس عمل کو جنگ خندق کے موقع پر غداری کرنے والے یہودیوں کے خلاف رسول اللہ کے آپریشن کے مطابق قرار دیا تھا۔

☆ آخر میں سب سے اہم سوال کہ آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی (رضوان اللہ علیہ) کے درس قرآن پر حملہ کیوں کیا گیا؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کا انداز اجتہاد، حوزہ علمیہ کے روایتی انداز اجتہاد سے مختلف تھا۔ روایتی اجتہاد میں اجتہاد کی بنیاد احادیث پر ہوتی ہے جبکہ استاد محترم کے اجتہاد میں بنیادی اور مرکزی حیثیت قرآن مجید کو حاصل تھی۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ تمام اسلامی علوم میں قرآن کی روشنی میں نظر ثانی ہونی چاہیے۔ قارئین محترم کے لیئے یہ بات حیرت انگیز ہوگی حوزہ ہائے علمیہ میں درس قرآن، حوزے کے بنیادی اور لازمی دروس میں شامل ہی نہیں ہے۔ اسے جنبی یعنی فرعی دروس میں رکھا گیا ہے جسے ہماری زبان میں آپشنل مضمون کہا جاتا ہے۔ طالب علم درس قرآن پڑھے نہ پڑھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی المیہ کی نشاندہی کرتے ہوئے علامہ طباطبائی رضوان اللہ علیہ نے تفسیر المیزان کی پانچویں جلد میں صفحہ 276 پر واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ حوزہ علمیہ کا درسی نظام اس انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ طالب علم ابتدا سے لے کر آخر تک سارے مراحل طے کر کے مجتہد بن جاتا ہے اور اس نے قرآن کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہوتا۔

(اس دردناک حقیقت کی تفصیل جاننے کے لیئے ہمارا کتابچہ "حوزہ اور قرآن" ملاحظہ فرمایئے۔ نیز استاد محترم کے رسالہ توضیح المسائل کا اردو ترجمہ صفحہ 25 تا 35 اور ہماری کتاب "تفسیر سورہ فاتحہ" طبع اول، صفحہ 60 تا 70 ملاحظہ فرمائیں)

اب ظاہری بات ہے کہ اگر لوگ قرآن کو ہاتھ لگائے بغیر مجتہد بن جاتے ہوں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ان کے افکار و نظریات قرآن کے مطابق ہوں گے؟ استاد محترم آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ اپنے دروس میں تمام اسلامی علوم، خاص طور پر فقہ اور فقہاء کے قرآن سے انحراف کی نشاندہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "الفقهاء بين الكتاب والسنه" میں شیعہ سنی دونوں کے فقہاء کے پچاس سے زائد ایسے فتاویٰ کی نشاندہی کی ہے جو واضح طور پر قرآنی آیات کے خلاف ہیں۔

آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کی دو باتیں خاص طور پر روایتی علماء کے لیئے ناقابل برداشت تھیں۔ ایک یہ کہ استاد محترم اس بات کے قائل تھے کہ مومنین کو اندھی تقلید نہیں کرنی چاہیے۔ انہیں علماء سے صرف فتویٰ پوچھنے کی بجائے علماء سے کہنا چاہیے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے فتویٰ کی وضاحت بھی کریں۔ دوسری بات یہ کہ اگر کسی مومن کے پاس ایسا مال ہو جس پر خمس واجب ہو اور وہ مومن اپنے علم اور معرفت کی روشنی میں اللہ، رسول اور امام زمانہ کی رضا کے مطابق اسے خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو خمس مجتہد یا اس کے نمائندے کو دینا یا خمس خرچ کرنے کے لیئے مجتہد کی اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔ استاد محترم کی یہ دو باتیں روایتی علماء کی دکانداری بند کر دینے کے لیئے کافی تھیں۔ روایتی علماء جنہوں نے اندھی تقلید کے ذریعے لوگوں کے ذہنوں پر اور خمس کے اجازہ کے ذریعے لوگوں کی جیبوں پر قبضہ کیا ہوا ہے وہ کب چاہیں گے کہ لوگوں کے ذہنوں اور جیبوں پر سے ان کا قبضہ ختم ہو؟

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ استاد محترم کی توضیح المسائل شیعہ اجتہاد کی تاریخ کی پہلی توضیح المسائل ہے جس میں صرف فتاویٰ بیان نہیں کیئے گئے بلکہ قرآن مجید اور ارشادات معصومین کی روشنی میں فتاویٰ کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ لیکن اسلامی جمہوری ایران کی حکومت نے استاد محترم کی توضیح المسائل پر بھی پابندی لگا دی جو کم و بیش دس سال تک جاری رہی۔ جب حجۃ الاسلام ڈاکٹر محمد خاتمی ایران کے صدر بنے تو انہوں نے بہت سی ناجائز پابندیوں کا خاتمہ کیا اور استاد محترم کی توضیح المسائل پر لگی پابندی بھی اٹھالی گئی۔ آیت اللہ العظمیٰ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ، زندگی بھر مظلوم رہے اور مظلوم وفات پائی۔ انقلاب سے پہلے شاہ کے دور میں مظلوم رہے، انقلاب کی تحریک کے دوران عراق میں بعثی حکومت کا ظلم برداشت کیا اور انقلاب کے بعد کی ساری زندگی اسلامی جمہوریہ ایران میں مظلوم رہے۔ اس دور میں ان کی مظلومیت گزشتہ ادوار کی مظلومیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ شدید تھی۔ وہ 21 مارچ 1926 عید نوروز کے دن پیدا ہوئے اور 21 مارچ 2011 عید نوروز کے دن 85 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اندھیرے کی پجاری چمگادڑیں دیواروں سے سر ٹکراتی رہیں گی مگر قرآنی علوم کا جو چراغ استاد محترم (رضوان اللہ علیہ) نے روشن کیا اس کی روشنی روز بروز پھیلتی رہے گی۔ سلام علیہ یوم ولد ویوم مات ویوم یبعث حیا

حملہ آور گروہ کا شر پسندانہ کردار

اس گروہ کی شر پسندانہ کارروائیوں کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسین گروپ) سے تعلق رکھنے والے طلاب کو آیت اللہ حسین علی منتظری (جو اس وقت آیت اللہ خمینی کے جانشین کے طور پر منتخب کیئے جا چکے تھے) کے دفتر اور حوزہ علمیہ قم کی انتظامیہ کی معاونت اور سرپرستی حاصل تھی جبکہ وفاق علمائے شیعہ آیت اللہ سید محمد شیرازی کے دفتر سے وابستہ تھے جو حکومتی حلقوں میں ناپسندیدہ تھے۔اس طرح وفاق علمائے شیعہ شعبہ قم، ہمیشہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) کی بدمعاشی کا ہدف بنا رہتا تھا جس کی بہت سی مثالیں ہیں۔نمونہ کے طور پر ایک مثال ملاحظہ فرمائیے:

آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کے درس قرآن پر دہشت گردی کے حملے کے تقریباً 5 ماہ بعد فروری 1988 میں انقلاب ایران کی سالگرہ کی مناسبت سے پاکستان سے علامہ محمد حسین نجفی (ڈھکو)، علامہ حافظ ریاض حسین نقوی، صدر وفاق علمائے شیعہ پاکستان اور پرنسپل جامعہ منتظر اور جناب عارف حسین حسینی کو انقلاب کی سالگرہ کی تقریبات میں شرکت کے لیئے دعوت دی گئی تھی۔

اس وفد کے قم پہنچنے سے پہلے ہی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) کی طرف سے حافظ ریاض حسین نقوی صاحب اور علامہ محمد حسین ڈھکو صاحب کے خلاف توہین آمیز پوسٹر حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا اور بعض دوسرے مقامات پر چسپاں کر دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ حرم حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا میں نماز مغربین کے بعد ایک شخص نے جو ایسے کچھ پوسٹر بانٹ رہا تھا، ایک پوسٹر خود حافظ ریاض حسین نقوی صاحب کو جا کر تھما دیا۔

بعد از آں قم میں **مدرسہ حجتیہ** میں پاکستانی طالبعلموں کا ایک جلسہ رکھا گیا، جس سے عارف حسین حسینی صاحب نے خطاب کرنا تھا۔اس جلسہ میں آیت اللہ خمینی، آیت اللہ منتظری، بعض دیگر ایرانی انقلابی لیڈرز کی تصاویر کے علاوہ عارف حسین حسینی صاحب اور علامہ محمد حسین نجفی (ڈھکو) صاحب کی تصاویر بھی لگائی گئی تھیں، لیکن پروگرام شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے تحریک والوں نے علامہ محمد حسین نجفی صاحب کی تصویر اتار دی۔

اس شر پسند گروہ کی ان شر پسندانہ کارروائیوں پر احتجاج کرتے ہوئے وفاق علمائے شیعہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے طلباء نے اپنے پاسپورٹ علامہ حافظ ریاض حسین نقوی صاحب کو دے دیئے اور کہا کہ آپ حوزہ کی انتظامیہ سے کہیں کہ ان سب پاسپورٹس پر خروجیہ لگا دیں، ہم احتجاجاً حوزہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن حافظ صاحب نے اس تجویز کی حمایت نہیں کی۔البتہ حافظ صاحب نے حوزہ کے بعض مسئولین کے ساتھ ملاقات میں یہ مسئلہ اٹھایا۔انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ آپ کو آئندہ شکایت نہیں ہوگی۔لیکن تحریک نفاذ فقہ جعفریہ (عارف حسینی گروپ) کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور حوزہ کی انتظامیہ بھی بدستور ان کی سرپرستی کرتی رہی۔ یہ صورت حال چلتی رہی یہاں تک کہ اسی سال اگست میں عارف حسین حسینی صاحب شہید کر دیئے گئے، تحریک کی قیادت علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب کے ہاتھ میں آ گئی۔ان کی پالیسی میں بہت اعتدال تھا، جس کی وجہ سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، شعبہ قم کی پہلے والی حرکتیں کم ہو گئیں اور حالات میں کافی بہتری آ گئی۔

☆☆☆

آیت اللہ صادقی کے درس پر ہونے والے حملہ پر آیت اللہ خمینی کا رد عمل

حجت الاسلام علی رحمانی بسیج (پاسداران انقلاب کی ذیلی رضا کار فورس) میں امام خمینی کے نمائندہ تھے۔استاد محترم آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ کے ساتھ بھی ان کے گہرے مراسم تھے۔درس پر حملہ کے چند دن بعد وہ قم آئے اور آیت اللہ صادقی سے ملنے ان کے گھر گئے۔استاد محترم فرماتے ہیں کہ اس ملاقات میں میں نے ان کو درس پر حملہ کا بتایا۔وہ بہت دکھی ہوئے اور افسوس کا اظہار کیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کا ذکر امام خمینی سے کر دوں؟ میں نے کہا: جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ملاقات ختم ہوئی اور وہ تہران چلے گئے۔چند روز کے بعد پھر قم آئے تو مجھ سے ملنے آئے اور مجھے بتایا کہ میں نے امام خمینی سے ملاقات کے دوران آپ کے درس پر حملہ کی بات ان کو بتائی۔یہ خبر سن کر انہیں شدید جھٹکا لگا۔چند لمحے خاموش رہنے کے بعد، انہوں نے اپنا سر جھکا لیا، ان کی کہنیاں ان کے زانوؤں پر تھیں اور انہوں نے اپنا سر اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا، انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں تین بار کہا: **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ استاد محترم آیت اللہ صادقی تہرانی رضوان اللہ علیہ انقلاب کی تحریک میں امام خمینی کے صف اول کے ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے حالات زندگی اور انقلاب کی تحریک کے دوران ان کے کردار کے بارے میں ان کے رسالہ توضیح المسائل کے اردو ترجمہ کے شروع میں، راقم نے ایک مفصل مضمون تحریر کیا ہے۔

☆☆☆

ایران کے چیف جسٹس آیت اللہ عبد الکریم موسوی اردبیلی کے نام راقم کا خط اور اس کا ترجمہ

باسمہ تعالیٰ

محضر مبارک آیت اللہ موسوی اردبیلی رئیس محترم دیوان عالی قضائی دامت برکاته

پس از عرض تحیت و سلام باطلاع حضرت عالی میرساند که در تاریخ 31 شهریور 1366 (22-9-1987) بیش از پنجاه نفر طلاب پاکستانی بر جلسه درس تفسیر قرآن حضرت آیت اللہ دکتر محمد صادقی تهرانی مدظله حمله کردند و طلاب پاکستانی را که در جلسه درس حضور داشتند و نویسنده یکی از آنها بود، زدند و زخمی کردند و بعضی از برادران ایرانی که برای دفاع از مضروبین اقدام کردند نیز مورد ضرب و جرح واقع شدند۔ مهاجمین قرآن شریف را لگدمال کردند، شیشه های مسجد را شکستند و جلسه درس را بهم زدند و این شعارها را با صدای بلند تکرار میکردند۔ مرگ بر منافقین، مرگ بر ضد ولایت فقیه، حزب فقط حزب اللہ رهبر فقط روح اللہ۔ مخفی نماند که این مهاجمین از طرفداران عارف حسین حسینی رئیس نهضت اجرای فقه جعفری در پاکستان می باشند و بعید نیست که از حمایت بعضی دستگاه ها برخوردار باشند۔

بخاطر این عمل زشت و غیر انسانی و ضد اسلامی علیه این افراد شکایت کردیم و دادگاه ویژه روحانیت قم پس از شش ماه تحقیق و بررسی در تاریخ 6-12-1366 طرفین را احضار کرد و رئیس دادگاه بالفاظ شبیه به این الفاظ: "به طرفین تذکر میدهم که آینده این گونه کارها را تکرار نکنید، با هم بنشنید و مسئله را حل کنید و با هم صلح کنید" قضیه را مختوم ساخت۔

از طرف مسئولین حوزه نیز هیچ اقدامی علیه این گروه جانی بعمل نیامد حالانکه در سال 1365 عده ای از طلاب هندی بخاطر یک تخلف از حوزه اخراج شدند و به هندوستان باز گردانده شدند۔

چرا مسئولین دادگاه ویژه روحانیت مجرمین را بسزای جرم نرساندند؟ آیا همین است عدل اسلامی؟ آیا برای اقامه همین عدالت انقلاب اسلامی بوجود آمد و جمهوری اسلامی تاسیس شد؟ آیا صدور انقلاب به کشورهای اسلامی برای برقراری همین عدل است؟ اگر این عدل اسلامی است پس در همه جا برپا است حتیٰ در کاخ سفید و شورای امنیت سازمان ملل نیز این عدل موجود است که بدون اینکه متجاوز را محکوم کنند میگونید ایران و عراق باهم صلح کنند۔ منظور از نوشتن این نامه چیزی غیر از اتمام حجت نیست۔

افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

والسلام علیکم و رحمت اللہ و برکاته

سید نیاز محمد همدانی (محصل پاکستانی)

حوزه علمیه قم۔ 28-12-1366 هجری شمسی

چیف جسٹس صاحب کے نام خط کا اردو ترجمہ

باسمہ تعالیٰ

بخدمت جناب چیف جسٹس صاحب، جناب آیت اللہ موسوی اردبیلی دامت برکاتہ

تحیت وسلام کے بعد جناب عالی کی اطلاع کے لیئے عرض ہے کہ 31 شہریور 1366 (22 ستمبر 1987) کے دن پچاس سے زائد پاکستانی طالب علموں نے حضرت آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی تہرانی مدظلہ کے درس تفسیر قرآن پر حملہ کر دیا اور اس درس میں شریک پاکستانی طالب علموں کو، جن میں راقم بھی شامل تھا، مارا اور زخمی کر دیا۔ بعض ایرانی برادران جو تشدد کا نشانہ بننے والے طالب علموں کی مدد کرنا چاہ رہے تھے انہیں بھی زدوکوب کیا گیا۔

حملہ آوروں نے قرآن شریف کو پیروں تلے روندا، مسجد کے شیشے توڑ دیئے اور درس کو درہم برہم کر دیا۔ وہ اونچی آواز میں یہ نعرے لگا رہے تھے:

مرگ برمنافقین، مرگ برضد ولایت فقیہ، حزب فقط حزب اللہ، رہبر فقط روح اللہ۔ مخفی نہ رہے کہ ان حملہ آوروں کا تعلق تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان (عارف حسینی گروپ) سے تھا اور بعید نہیں کہ انہیں بعض قوتوں کی حمایت بھی حاصل ہو۔

ہم نے اس قبیح، غیر انسانی اور غیر اسلامی عمل کے خلاف شکایت کی۔ قم کی دادگاہ ویژہ روحانیت (علماء کی خصوصی عدالت) نے پانچ ماہ تحقیقات کے بعد 6-12-1366 (25 فروری 1988) کے دن فریقین کو پیش ہونے کا حکم دیا اور جج صاحب نے ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ کہہ کہ کیس ختم کر دیا:

"میں فریقین کو نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ اس قسم کے کام نہ کریں، مل بیٹھ کر مسئلہ حل کر لیں اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح کر لیں"۔ (1)

حوزہ کے منتظمین کی طرف سے بھی اس مجرم گروہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ سال 1365 (1986) میں چند ہندوستانی طالب علموں کو ڈسپلن کی خلاف ورزی پر حوزہ سے نکال دیا گیا تھا اور ہندوستان بھیج دیا گیا تھا۔

دادگاہ ویژہ روحانیت (علماء کی خصوصی عدالت) نے مجرموں کو ان کے جرم سزا کیوں نہ دی؟ کیا یہی عدل اسلامی ہے؟ کیا اسی عدل کے قیام کے لیئے اسلامی انقلاب برپا ہوا تھا؟ اگر یہی عدل اسلامی ہے تو یہ تو ہر جگہ موجود ہے، حتیٰ کہ وائیٹ ہاؤس اور اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل میں بھی موجود ہے جو جارح کی مذمت کیئے بغیر کہتے ہیں کہ ایران اور عراق صلح کر لیں۔ یہ خط لکھنے کا مقصد اتمام حجت کے سوا کچھ نہیں۔

أُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللهِ، إِنَّ اللهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ

والسلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

سید نیاز محمد ہمدانی (پاکستانی طالب علم)

حوزہ علمیہ قم

28-12-1366 ہجری شمسی/18 مارچ 1988

---

(1) جج صاحب کا نام آقای مومنی تھا۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو میں نے ان سے کہا کہ اگر میں نے ان سے صلح کرنی ہوتی تو کہیں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر صلح کر سکتا تھا۔ میں آپ کے پاس انصاف کے لیئے آیا ہوں، لیکن مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ انصاف نہیں کریں گے، میں نے اپنا معاملہ پہلے ہی اللہ کے سپرد کر دیا ہے اور وہ احکم الحاکمین ہے۔ میری یہ بات سنتے ہی جج صاحب غصے سے آگ بگولا ہو گئے اور بدتمیزی کرتے ہوئے بولے: این حرفہا چی اے، پاشو، برو بیرون۔ (کس قسم کی باتیں کر رہے ہو، اٹھو اور باہر نکل جاؤ) گویا وہ یہ کہہ رہے تھے کہ مجھے کس احکم الحاکمین سے ڈرا رہے ہو، احکم الحاکمین تو میں خود ہوں۔ لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِيْنَ۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ